نماز کو خوب سنوار کر پڑھنا چاہئے

نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 21 رنومبر 1997ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

گزشتہ چند خطبات میں نماز کے تعلق میں میں نے کچھ باتیں بیان کی ہیں اور اسی تعلق میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے بعض اقتباسات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ گزشتہ اقتباس میں مَیں نے یہ گزارش کی تھی کہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں سُبحَانَ مَن یَّرَانِی آپ اس بات کو ضرور نماز میں ہمیشہ ملحوظ رکھیں کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے لیکن حدیث کے جو اصل الفاظ ہیں جیسے کہ بخاری میں ہیں اس میں پہلے یہ ذکر ہے کہ گویا تُو خدا کو دیکھ رہا ہے اگر نہیں تو پھر یاد رکھ کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اس شعر میں اور اس مضمون میں فی الحقیقت تضاد نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ کی طرز ایسی ہے کہ تو اسے دیکھنے کی کوشش کر ورنہ یاد رکھ کہ وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس معنی میں اگر آپ اُس مضمون کو سمجھیں تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے یہ کہنے میں کہ وہ ہمیشہ مجھے دیکھ رہا ہے اور اس حدیث کے الفاظ میں ہرگز کوئی تضاد نہیں۔ غور سے علماء پھر پڑھ کے دیکھ لیں ان کو غور کے بعد یہی بات سمجھ آئے گی کہ ایک کوشش کی طرف حدیث متوجہ کرتی ہے کہ کوشش کر کہ تو اسے دیکھ جو بہر حال تجھے دیکھ رہا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ کہنا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے پہلے

مضمون کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے ہے۔ گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھ رہے ہیں یہ مضمون اس میں داخل ہے۔ مگر بہر حال بہت سے علماء چونکہ ظاہری الفاظ کے نیچے نہیں اترتے اس لئے ان کو بسا اوقات تضاد دکھائی دیتا ہے مگر فی الحقیقت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی بیان میں ہرگز کوئی تضاد نہیں۔ ہمیشہ آپ اسے قرآن و حدیث کے مطابق ہی پائیں گے۔ اس مختصر تشریح کے بعد جس کی تفصیل شاید مجھے بعد میں مزید بیان کرنی پڑے میں اب واپس اسی مضمون کی طرف لوٹتا ہوں جہاں سے وہ چھوڑا گیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ پر بات ختم ہوئی تھی کہ وہ مومن متقی نماز میں لذت پاتا ہے۔ اس کے بعد آپؑ فرماتے ہیں:

> ''اس لئے نماز کو خوب سنوار سنوار کر پڑھنا چاہئے۔ نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔''

(نماز کے متعلق یہ الفاظ غور طلب ہیں) **''نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔''** معراج اور جڑ یہ دو مختلف باتیں ہیں۔ بیک وقت آپ کا یہ کہنا بعض علماء کو شاید تضاد دکھائی دے حالانکہ ہرگز تضاد نہیں ہے کیونکہ آپ نے ایک سلسلہ قائم فرمایا ہے جڑ کا اس کے منتہیٰ تک۔ فرماتے ہیں: **''نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے۔''** نماز جڑ بھی ہے اور منتہیٰ بھی ہے۔ وہ زینہ بھی ہے جس پر قدم رکھ کر انسان بالآخر اپنے معراج کو پہنچتا ہے۔ جو اس کا منتہیٰ کا مقام اللہ کے نزدیک مقدر ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان عبارتوں کو خوب غور سے پڑھیں اور یاد رکھیں کہ نماز مومن کا معراج ہے۔

معراج کے متعلق یاد رکھیں کہ ہر شخص کا معراج الگ الگ ہے اور ہر انسان اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے یا بعض دفعہ نہیں اٹھایا جاتا۔ آنحضرت ﷺ کا معراج اور معراج تھا کیونکہ آپؐ کی پرواز بہت بلند تھی۔ وہ زینہ جو آپؐ کی نماز نے قائم کیا تھا وہ بہت دور تک اوپر چلا جاتا تھا۔ مگر ہر شخص کی ایک حد مقرر ہے وہ اپنی توفیق سے آگے بڑھ نہیں سکتا۔ پس وہ شخص جو نماز کی جڑ کو قائم کرتا ہے پھر وہ زینہ تعمیر کرتا ہے نماز کے ذریعے جو اس کو اس کے معراج تک پہنچاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شخص کی بلندی کا ایک منتہیٰ مقدر ہے اور اگر وہ کوشش کرے تو اس آخری منزل تک پہنچ سکتا ہے جس کے قویٰ اس کو عطا کئے گئے ہیں اور اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ اس کا معراج ہوگا اور یہ معراج نماز کے ساتھ

وابستہ ہے۔نماز کے بغیر ناممکن ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو درجہ معراج تک پہنچائے۔فرماتے ہیں:

''اس دین میں ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ، راست باز، ابدال، قطب گزرے ہیں۔انہوں نے یہ مدارج اور مراتب کیونکر حاصل کئے؟ اسی نماز کے ذریعے سے۔خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: **قُرَّةُ عَینی فی الصّلوٰةِ** یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور فی الحقیقت جب انسان اس مقام اور درجے پر پہنچتا ہے تو اس کے لئے اکمل اتم لذت نماز ہی ہوتی ہے۔''

اب یہ بھی دو الگ الگ باتیں دکھائی دیتی ہیں حالانکہ ان کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے۔ **راست باز ابدال قطب گزرے ہیں انہوں نے یہ مدارج اور مراتب کیونکر حاصل کئے؟ اسی نماز کے ذریعے سے** اور حضور اکرم ﷺ کے متعلق جو اس کے معاً بعد آپ نے فرمایا وہ اس بات سے کچھ مختلف دکھائی دیتا ہے۔فرمایا:

''خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: **قُرَّةُ عَینی فی الصّلوٰةِ** یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

مراد یہ ہے کہ وہ جو مراتب گزشتہ بزرگوں نے طے کئے اس لئے طے کئے کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز تھی۔اگر آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں نہ ہو تو ہرگز نماز کے ذریعہ سے انسان وہ بلند مراتب حاصل نہیں کرسکتا جو نماز اسے عطا کرسکتی ہے۔پس یہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا مسئلہ ہے۔نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک پیدا ہونا یہ خود بہت محنت طلب مجاہدے کو چاہتا ہے۔پس کیسے یہ مجاہدے کئے جائیں، کیسے یہ محنت ماری جائے یعنی اس محنت میں سر کھپایا جائے یہ مضمون ہے جو آگے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارتوں کے پڑھنے سے نسبتاً آسان ہو جائے گا۔فرماتے ہیں:

''اور فی الحقیقت جب انسان اس مقام اور درجے پر پہنچتا ہے تو اس کے لئے اکمل اتم لذت نماز ہی ہوتی ہے اور یہی معنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے ہیں۔پس کشاکش نفس سے انسان نجات پا کر اعلیٰ مقام تک پہنچ جاتا ہے۔''

یہ جو لذت ہے نماز کی اس کے مقابل پر کشاکش نفس رکھی گئی ہے۔نفس ہمیشہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور جتنا کامیاب ہوتا ہے اتنا ہی لذت کم ہوتی جاتی ہے۔ظاہر بات ہے کہ نفس کی لذت کا

ایک تقابل کیا گیا ہے۔ نماز میں لذت پانے کے ساتھ۔ جونہی انسان نفسانی لذتوں میں مبتلا ہوگا روحانی لذتیں کم ہوتی جائیں گی۔ پس فرمایا کشاکش نفس کی لذتوں سے نجات پائے بغیر فی الحقیقت نماز کی لذت نصیب نہیں ہوسکتی اور اگر نماز کی لذت نصیب نہ ہو تو نماز بلند تر روحانی مدارج تک نہیں پہنچا سکتی۔

''کشاکش نفس سے انسان نجات پا کر اعلیٰ مقام تک پہنچ جاتا ہے۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ:605)

حضرت اقدس مزید فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں نے خیال کیا کہ صلوٰۃ میں اور دعا میں کیا فرق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ **الصلوٰۃُ ھِیَ الدّعاءُ. الصلوٰۃ مُخ العبادۃ** یعنی نماز ہی دعا ہے، نماز عبادت کا مغز ہے۔ جب انسان کی دعا محض دنیوی امور کے لئے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں ہے''۔

یہ معنی ہیں اس حدیث کے جو اکثر لوگوں کو سمجھ نہیں آتے کہ **الصلوٰۃ مُخ العبادۃ۔ الصلوٰۃ ھِیَ الدّعاءُ** اگر عام معنی لئے جائیں تو مراد ہے کہ دعا کرلو تو نماز پڑھ لو ایک ہی بات ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہیں یہ کہہ کر کہ:

''جب انسان کی دعا محض دنیوی امور کے لئے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں ہے''

اور وہ نماز میں بھی ہو تو اس نماز کا نام صلوٰۃ نہیں ہے اور نماز کی اعلیٰ سے اعلیٰ حالت میں بھی ہو تو جب تک وہ دنیوی امور کے لئے دعا ہے اس کا نام الصّلوٰۃ نہیں ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے جس دعا کا نام الصّلوٰۃ رکھا ہے وہ دعا اللہ کی رضا چاہنے کی دعا ہے، ہمیشہ اس کو طلب کرنے کی دعا ہے اور اسی طرح اگر یہ حالت ہمیشہ طاری رہے تو ہمیشہ انسان نماز میں ہوتا ہے۔

بعض فقراء یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم تو ہر وقت نماز میں ہیں اور حالت یہ ہے کہ گندے، لغو کلمات ان کے منہ سے جاری ہوتے ہیں، دنیا کی باتوں میں وہ کھوئے رہتے ہیں اور ہر قسم کی خودسری کے نمونے دکھاتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم تو بس نماز کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ بعض فقیر ایسے ہیں جو نہایت گندی گالیاں دے رہے ہوتے ہیں اور لوگ جو ان فقیروں کی عبادت کرتے ہیں

جن میں بڑے بڑے بعض پاکستان حکومت کے سربراہ بھی شامل رہے ہیں وہ ان فقیروں کے دروازے تک پہنچتے ہیں اور وہ نہایت گندی گالیوں میں مصروف ہوتے ہیں اور وہ گویا یہ خدا تعالیٰ کا ایک احسان سمجھتے ہیں کہ وہ ان کو گندی گالی دے دے تا کہ ان کو تمام مقاصد نصیب ہو جائیں۔ یہ سب جہالتیں ہیں۔ ان جہالتوں کا کوئی دور کا بھی رسول اللہ ﷺ کے غلاموں سے تعلق نہیں، کجا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے خود یہ تعلیم دی ہو۔ آپؐ کی حالت نماز یہ تھی کہ ہر سانس میں آپؐ کی توجہ خدا کی طرف تھی اور خدا کی طلب کرتے تھے۔

پس یہ کہنا ایک ایسے شخص کا کہنا ہے، یہ قول ایک ایسے شخص کا قول ہے جس نے زندگی میں گہرے تجربے سے یہ بات معلوم کی ہے کہ **الصلوٰۃُ هِیَ الدّعاءُ** اور **الصلوٰۃُ مُخُّ العبادة**۔ پس حضرت رسول اللہ ﷺ کی اس حالت کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سمجھا اور پھر اس کی یہ تشریح فرمائی کہ:

''جب انسان کی دعا محض دنیوی امور کے لئے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں لیکن جب انسان خدا کو ملنا چاہتا ہے اور اس کی رضا کو مدنظر رکھتا ہے اور ادب، انکسار، تواضع اور نہایت محویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے تب وہ صلوٰۃ میں ہوتا ہے۔ اصل حقیقت دعا کی وہ ہے جس کے ذریعے سے خدا اور انسان کے درمیان رابطہ تعلق بڑھے۔ یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اور انسان کو نامعقول باتوں سے ہٹاتی ہے''۔

اب یہ بھی ایک روزمرہ کی پہچان ہے۔ ہم میں سے ہر ایک لازماً اپنے روزمرہ کے مشاغل میں غیر معقول باتوں میں ملوث ہو جاتا ہے۔ کبھی مذاق ہے، کبھی اور ہلکی پھلکی باتیں ہیں جو اپنی ذات میں گناہ نہ بھی ہوں تو اس عرصے کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ نماز میں نہیں ہے اور یہ حالت اگر آپ غور کریں تو جتنا ابتدائی سالک ہوگا اتنا ہی اس میں زیادہ پائی جائے گی۔ جتنا آگے بڑھے گا یہ عادت اس کی کم ہوتی چلی جائے گی اور اس کے روزمرہ کے اکثر لمحات خدا کے لئے ہوتے چلے جائیں گے۔ جب یہ ہو تو پھر نماز بننے لگتی ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کا عکس نماز پر بھی پڑتا ہے اور اسی حد تک نماز خدا کے

لئے ہونی شروع ہو جاتی ہے جس حد تک اس کے دن رات خدا کے لئے مقدر ہیں۔
پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”انسان کو نامعقول باتوں سے ہٹاتی ہے۔“

(یہ یاد رکھنا چاہئے آپ سب کو کہ کتنا وقت روزانہ نامعقول باتوں میں صرف ہوتا ہے اور کتنا معقول باتوں میں۔)

”اصل بات یہی ہے کہ انسان رضائے الٰہی کو حاصل کرے اس کے بعد روا ہے کہ انسان اپنی دنیوی ضروریات کے واسطے بھی دعا کرے۔“

اگر انسان اس بات سے ڈر جاتا ہے کہ اگر دنیوی حاجات کے لئے دعا کرنا میری عبادت نہیں ہے اور اس میں مخل ہے تو پھر میں حاجت روائی کس سے کروں، کس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں کہ وہ میری حاجتیں پوری کرے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو ہر دروازہ کلیۃً بند کر دیا ہے اور ساتھ ہی خدا کا دروازہ بھی بند کر دیا ہے کہ اس دروازے پر اپنی حاجات لے کر نہ جاؤ یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے اس عبارت کو نہ سمجھنے سے جس کا ازالہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”اصل بات یہی ہے کہ انسان رضائے الٰہی کو حاصل کرے اس کے بعد روا ہے کہ انسان اپنی دنیوی ضروریات کے واسطے بھی دعا کرے۔ یہ اس واسطے روا رکھا گیا ہے کہ دنیوی مشکلات بعض دفعہ دینی معاملات میں حارج ہو جاتے ہیں۔۔۔“

کیسا لطیف مضمون ہے جس نے دو مسئلے حل کر دئے۔ ایک دنیوی ضروریات کو دور کرنے کی وجہ بتادی دوسرے اس دعا کے ساتھ ہی ملا دیا جو مقبول دعا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ یہ ایک باریک مضمون ہے جسے مجھے کھولنا پڑے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ خدا کے حضور اپنی ضروریات لے کر جانے کی اس حالت میں اجازت ہے کہ پہلے اس کی رضا کو حاصل کریں۔ اگر رضا کو حاصل کر کے پھر ایسا کرتا ہے تو اس میں ایک حکمت ہے کیوں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ اس لئے کہ دنیوی مشکلات اور مصائب اس کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور وہ خدا کی

طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ پس اگر اس لئے دعا کرے، یہ کہتے ہوئے التجا کرے کہ اے میرے اللہ میری مشکلات نے مجھے گھیر لیا ہے، میں جب کھڑا ہوتا ہوں یہ بلائیں مجھے چمٹ جاتی ہیں اور مجھے تیری طرف اپنے دماغ کو خالصۃً وقف کرنے کی توفیق نہیں دیتیں۔ اگر اس نیت سے انسان اپنی حاجات خدا سے مانگے گا تو لازماً حاجات تو ملیں گی ہی لیکن اس کا یہ حاجات مانگنا بھی ایک عبادت بن جائے گا کیونکہ عبادت کی خاطر وہ یہ دعائیں مانگتا ہے کہ مجھے دنیا کے جھنجھٹوں سے اس حد تک آزاد کر دے کہ یہ میرے ذہن پر سوار نہ رہیں۔ جب میں عبادت کے لئے کھڑا ہوں تو مجھے چمٹ نہ جایا کریں تا کہ میرا ذہن تیری عبادت کے لئے فارغ ہو جائے۔ یہ لطیف مضمون حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مضمون سے نکالا ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

”خاص خامی اور کج پُنے کے زمانہ میں یہ امور ٹھوکر کا موجب بن جاتے ہیں۔۔۔“

دوسری بات ایک اور بہت ہی عزیز، بہت دلچسپ فرماتے ہیں کہ اس لئے بھی دنیوی امور میں دعا کرنا منشاءِ الٰہی کے ہمیشہ خلاف نہیں ہوتا کہ اگر یہ دعا نہ کی جائے تو وہ سالک جو ابھی ابتدائی منازل پر ہے بعض دفعہ یہ دنیوی امور اور ان کے مسائل اس کے لئے ٹھوکر کا موجب بن جاتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کو ہماری پرواہ ہی کوئی نہیں۔ پس اگر اس وجہ سے خدا سے التجا کی جائے کہ وہ ان ابتدائی ٹھوکروں سے بھی انسان کو نجات بخشے اور انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ میرا ایک خدا ہے جو مجھے دیکھ رہا ہے۔ ایسی صورت میں یہ دعا جو ہے یہ عبادت والی دعا بن جائے گی۔

”صلوٰۃ کا لفظ پر سوز معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے آگ سے سوزش پیدا ہوتی ہے ویسی ہی گزارش دعا میں پیدا ہونی چاہئے“

اب یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد یہ سوز کی بات فرمائی گئی ہے کہ سوز پیدا کرنا بندے کے اپنے بس کی بات نہیں ہے لیکن ایک ایسا موقع بیان فرمایا جس موقع کا سوز سے تعلق ہے۔ اگر ایک انسان کو مشکلات گھیر لیں اور اس کے نقصانات ایسے ہوں کہ جو بعض دفعہ ساری زندگی کو اداس کر دیتے ہیں۔ کسی قریبی، کسی پیارے کی موت ہے جو ایک دفعہ واقع ہو گئی مگر ساری عمر اس کے بعد پیچھے رونا پیٹنا چھوڑ دیتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس سوزش کا ذکر کیا ہے کہ وہ دعا میں

ہونی چاہئے وہ ایسے موقعوں پر نصیب ہوتی ہے۔ جب دنیوی مشکلات انسان کو گھیرتی ہیں تو طبعاً دل میں ایک سوزش پیدا ہوتی ہے اس سوزش سے فائدہ اٹھالو اور دعا کرو۔ پھر جب وہ مقبول ہوگی تو اللہ کی محبت کی سوزش بھی ساتھ دل میں پیدا ہو جائے گی۔ یہ باریک تعلقات ہیں مگر بالکل حقیقی تعلقات ہیں۔ ان میں ایک ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ انسانی فطرت اسی طرح چلتی ہے کہ پہلے ایک سوزش دعا میں تبدیل ہوا گر انسان متوجہ ہو اس بات کی طرف اور وہ سوزش کی دعا مقبول ہو جائے اور جس نے یہ قبول کی ہے پھر اس کے لئے ایک محبت پیدا ہو جائے، پھر وہ محبت اتنا بڑھے کہ محبت کی سوزش ہر دنیا کی طلب کی سوزش سے آگے بڑھ جائے۔ یہ وہ مقام ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام یوں فرماتے ہیں:

”جب ایسی حالت کو پہنچ جائے جیسے موت کی حالت ہوتی ہے تب اس کا نام صلوٰۃ ہے“۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ:283،284)

اب عام انسان تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہر روز، ہر لمحہ اس پر ایک موت کی حالت طاری ہو لیکن یہ سوچیں کہ یہ کس کا کلام ہے۔ اس کا کلام ہے جس نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی پیروی میں آپؐ کے قدموں کے نشانات کو چومتے ہوئے سفر کیا۔ یہ لکھتے وقت لازماً آپ کی نگاہ اس آیت پر ہوگی جو پہلے بھی کئی دفعہ پڑھ چکا ہوں: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:163) یہ موت جو اللہ کے لئے ہوتی ہے یہ ایک پیاری موت ہے اور اس موت کے اعلان کا خدا تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیتا ہے تُو اعلان کر کہ مجھے یہ موت نصیب ہو گئی ہے۔ پس عام پڑھنے والا ڈر جاتا ہے ان باتوں کو پڑھ کے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان عبارتوں کو پڑھ کے بعض کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں کہ ہم کیسے یہ سفر کر سکتے ہیں۔ ہم کون، ہماری مجال کہاں کہ روزانہ ہر وقت موت کا منہ دیکھیں لیکن وہ موت جو کسی پیارے کی خاطر قبول کی جاتی ہے اسی کا دوسرا نام زندگی ہے۔ پس وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ میں فرق ہی کوئی نہیں۔ اگر اللہ کے لئے ہو اور ہر لمحہ ہو تو جیسے ایک دیکھنے والا دور سے موت دیکھ رہا ہے، محسوس کرنے والا اس سے زندگی پاتا ہے اور وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ کے درمیان فرق ہی نہیں کر سکتا۔ وہ ایک ہی چیز کے دو نام بن جاتے ہیں۔ فرمایا تب اس کا نام صلوٰۃ ہوتا ہے۔ اب اس وقت تک پہنچنے سے پہلے ہم کیا کریں

کیونکہ ایسے پر شکستہ اور بے طاقت ہیں کہ گرتے پڑتے بھی اس طرف سفر کریں، سفر بہت دراز ہے، بہت لمبا اور دور کا سفر ہے اور وہ ممات اور حیات والی حالت جو میں نے بیان کی ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عبارت کے آخر پر رکھا ہے یہ حاصل کرنی بہت مشکل ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے بعد اس مضمون کو نسبتاً آسان کرنے کی خاطر، اس سفر کو نسبتاً آسان کرنے کی خاطر فرماتے ہیں:

”خوب جان لو کہ ان آفات سے جو قضاء وقدر کی طرف سے انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں جب تک خدا تعالیٰ کی مدد ساتھ نہ ہو ہرگز رہائی نہیں ہوتی۔ نماز جو کہ پانچ وقت ادا کی جاتی ہے اس میں بھی یہی اشارہ ہے کہ اگر وہ نفسانی جذبات اور خیالات سے اسے محفوظ نہ رکھے گا تب تک وہ سچی نماز ہرگز نہ ہوگی۔ نماز کے معنے ٹکریں مار لینے اور رسم اور عادت کے طور پر ادا کرنے کے ہرگز نہیں۔ نماز وہ شے ہے جسے دل بھی محسوس کرے کہ روح پگھل کر خوفناک حالت میں آستانہ الوہیت پر گر پڑے“۔

خوفناک حالت، یوں لگتا ہے کہ وہ حالت بڑی خوفناک ہے لیکن مراد یہ نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایک شخص پہ خوف طاری ہو جائے اور پھر بے اختیار گر پڑے اسے خوفناک حالت بیان فرمایا گیا ہے۔

”روح پگھل کر خوفناک حالت میں آستانہ ٔالوہیت پر گر پڑے۔ جہاں تک طاقت ہے وہاں تک رقت کے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور تضرع سے دعا مانگے کہ شوخی اور گناہ جو اندر نفس میں ہیں وہ دور ہوں“۔

اب ایک طرف تو روح پگھل رہی ہے خوف میں اور دوسری طرف یہ بیان بھی ہے کہ جہاں تک طاقت ہے وہاں تک رقت پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ وہ پہلا روح کا پگھلنا ان عارف باللہ لوگوں کا بیان ہے جن کو یہ حالت نصیب ہو جاتی ہے لیکن ہر انسان کو یہ حالت نصیب نہیں ہوتی۔ ان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیسا کہ یہاں بھی بیان فرمایا ہے ”اسلامی اصول کی فلاسفی“ میں بھی یہی بات بیان فرمائی ہے کہ اگر تم پر رقت طاری نہیں بھی ہوتی تو کوشش کر کے چاہے بناوٹ کرنی پڑے، اگر کوئی بناوٹ جائز ہے تو یہاں بھی جائز ہے کہ تکلف کر کے بھی اللہ کے حضور

گریہ وزاری کی کوشش کرے اور اپنے اوپر ایک قسم کا خوف طاری کرے۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کی روح خود بخود پگھل کر نہیں گرتی۔

''اور تضرع سے مانگے کہ شوخی اور گناہ جو اندر نفس میں ہیں وہ دور ہوں۔ اسی قسم کی نماز بابرکت ہوتی ہے اور اگر وہ استقامت اختیار کرے گا تو دیکھے گا کہ رات کو یا دن کو ایک نور اس کے قلب پر گرا ہے''۔

اب جو بیان بہت مشکلات کا بیان دکھائی دیتا تھا، لگتا تھا کہ انسان میں طاقت ہی نہیں ہے کہ اس چیز کو حاصل کر لے اس بیان کو آسان کرنے کی خاطر صبر اور وفا اور استقامت کا سبق دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں تمہیں وہ رقت نصیب ہو یا نہ ہو جو طبعی حالت کا نام ہے جو رقت اپنی ذات میں بے انتہا لذت رکھتی ہے اگر نہ بھی نصیب ہو تو کوشش کرتے رہو۔ کوشش کر کے خواہ تصنع سے اپنے چہرے کو ایسا بناؤ گویا وہ رو رہا ہے۔ منتیں کرو، جو کچھ بھی ہو مسلسل جدوجہد کرتے رہو۔ یہ حالت رفتہ رفتہ نہیں بدلے گی ایک ایسا وقت آئے گا کہ خدا کو رحم آئے گا اور خدا سے مدد مانگنا اس لئے ضروری ہے۔ اپنے طور پر انسان اس حالت کو پا سکتا ہی نہیں۔ ہاں جب اللہ دیکھتا ہے اور اپنے بندے کو ایسی بے قراری اور انکساری کی حالت میں پاتا ہے کہ اسے کچھ بھی نصیب نہیں ہو رہا پھر بھی دعا نہیں چھوڑتا اس کا صبر کسی مقام پر آ کر ختم نہیں ہوتا مسلسل جاری رہتا ہے۔ اس وقت فرمایا اچانک آسمان سے ایک شعلہ نور اترتا ہے اور یہ وہ حالت ہے جو ہر دنیوی حالت کو خاکستر کر دیتی ہے۔

''دیکھے گا کہ رات ہو یا دن ہو ایک نور اس کے قلب پر گرا ہے''

اب رات فرمایا تو رات کی عبادتیں مراد ہیں، دن کو بھی دن کی عبادتیں مراد ہیں اور نور کے متعلق فرما دیا کہ اس کا تعلق نہ رات سے ہے نہ دن سے ہے۔ دن کو بھی نور ہی رہے گا اور رات کو بھی نور ہی رہے گا۔ ایسا نور ہے جو صرف تمہاری راتوں ہی کو نہیں تمہارے دنوں کو بھی روشن کر سکتا ہے۔

''اور نفس امّارہ کی شوخی کم ہو گئی ہے''۔

اب یہ آغاز ہے اس کی ترقیات کا۔ نماز میں جب یہ نور گرتا ہے تو ہر وقت جو انسانی نفس اس کو احکامات دے رہا ہے کہ یہ برائی کرو، وہ برائی کرو، یہ شوخی کم ہو جاتی ہے۔ نفس امّارہ پھر اس جرأت سے اسے برائیوں کی طرف نہیں کھینچتا۔

''جیسے اژدہا میں ایک سمّ قاتل ہے اسی طرح نفس امارہ میں بھی سمّ قاتل ہوتا ہے اور جس نے اسے پیدا کیا اسی کے پاس اس کا علاج ہے''۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ:96)

اب یہ حالتیں اس قسم کی نہیں ہیں جو دنیا کے بعض صوفی آپ کو سکھاتے ہیں اور پڑھاتے ہیں کہ یہ ہو جائے گا اور وہ ہو جائے گا۔ ان حالتوں میں ایسی گہری حقیقتیں ہیں کہ ادنیٰ سا بھی مبالغہ ان میں نہیں پایا جاتا۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ نور اترے گا تو ہمیشہ کے لئے تمہاری زندگی فوراً سنور جائے گی فرمایا وہ نور جب جب اترے گا نفس امّارہ کی کسی شوخی کو بھسم ضرور کر دے گا۔

پس اگر متقی نماز پڑھتے ہوئے جیسا کہ نماز کا حق ہے آگے بڑھتا ہے تو اس کی نمازوں میں ہمیشہ اس کو محسوس ہوگا کہ کبھی آگے بڑھنے کا ایک ایسا رجحان ملتا ہے کہ جیسے سفر میں کوئی قدم آگے بڑھا دیا جائے اور گناہ پیچھے رہ جاتے ہیں لیکن سب گناہ یا سب گناہوں کا رجحان بیک وقت پیچھے نہیں رہتا بلکہ بعض گناہوں کا رجحان پیچھے رہ جاتا ہے اور گناہوں کی خواہش میں ایک کمی سی آجاتی ہے۔ وہ خواہش مرجھانے لگتی ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ایک عارف باللہ کے کلام کے سوا آپ کو کہیں دکھائی نہیں دے گی۔ ایسی باریکی سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی روح کے آغاز کا مطالعہ کیا ہے کہ اس مطالعہ کے ساتھ آپ کو دوسرے لوگوں کی روح کے مطالعہ کا علم ہو گیا یعنی ضروری نہیں ہے کہ **نعوذباللہ من ذٰلک** آپ کا سفر نفس امّارہ کی شوخیوں سے ہو مگر ہر دعا گو انسان جانتا ہے کہ وہ خود بھی اپنی پہلی حالت کے خلاف خدا سے مدد چاہتا ہے اور جب وہ مدد چاہتا ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ مدد ایک نور کے شعلے کی طرح اس پر گرتی ہے اور اس کی پہلی حالت جس سے وہ نجات چاہتا ہے اس میں فرق آجاتا ہے۔

پس ضروری نہیں کہ انبیاءؑ یا اولیاء اللہ اپنے گناہوں کے متعلق نفس امّارہ کے غلام ہوں اور پھر ان سے نجات پائیں۔ ہر شخص کا نفس کچھ نہ کچھ پیغام اسے ضرور دے رہا ہے۔ جب انبیاءؑ حوالہ دیتے ہیں تو مراد یہ ہے کہ نسبتاً کم، بہت کم، اتنا کم کہ بعض دفعہ دیکھنے والے کو محسوس بھی نہیں ہو سکتا لیکن انبیاءؑ کو خود دکھائی دیتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ اس حالت سے مزید ترقی کریں۔ پس ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا ہے جو عامۃ الناس کے ساتھ ہوتا ہے لیکن جس شخص نے اپنی ان منازل کو غور سے

دیکھا، بڑی گہری نظر سے ان کا مطالعہ کیا ہو وہی ہے جو تمام بنی نوع انسان کی کیفیات کو بھی سمجھ لیتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے چونکہ اس زمانے کا مربی اور معلم بنانا تھا اس لئے آپ ان باتوں میں انسانی نفسیات کی کمزوریوں میں جس گہرائی سے اترے ہیں ویسا گزشتہ چودہ سو سال کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور اترتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ اگر کچھ بزرگ ایسے ہوں گے تو صحابہؓ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے ان حالتوں کو جانتے ہوں تو ان کو ویسے ہی مجال نہیں تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے تعلیم کا کام خود اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ اس لئے جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ادب اور احترام کے تقاضے کے تابع اسی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا لیکن جو بعد میں علماء پیدا ہوئے ان کو یہ خیال آیا کہ بہت سی باتیں عامۃ الناس نہیں سمجھتے اور ہمیں سمجھانی چاہئیں۔ سو حوالے قرآن اور حدیث ہی کے دیتے تھے مگر سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ پہلے زمانے میں ابتدائی حالت میں کیوں بزرگوں نے نہیں سمجھایا۔ کچھ تو یہ کہ ان کی اپنی عرفان کی حالت ایسی تھی کہ بہت سے مسائل نظر ہی نہیں آرہے تھے۔ وہ اپنے روحانی تجربے سے جانتے تھے کہ یہ باتیں تو ٹھیک ہیں سب کو پتا ہوں گی گویا کہ۔ حالانکہ سب کو پتا نہیں ہوتی تھیں اور دوسرا یہ کہ اس وقت جبکہ سورج سر پر چڑھا ہوا اس وقت لوگوں کو رستہ دکھانا احترام کے خلاف سمجھتے تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ سے ہٹ کر کہیں دور سفر کر رہے ہوں وہاں ہمیں ایسے واقعات دکھائی دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعض ارشادات پر بعض صحابہؓ روشنی ڈال رہے ہیں اور بعض دوسرے ان معنوں سے اختلاف بھی کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں جہاں اکثر احکامات پر زمانے کی گرد و غبار پڑ چکی تھی جبکہ اس زمانے کے دیکھنے والوں کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ان احکامات کی روح کیا ہے، کیوں دئے جارہے ہیں، ان کے درمیان رابطے کیا ہیں اور اس کے علاوہ ایک یہ مشکل بھی درپیش تھی کہ مختلف علماء نے ان نصیحتوں کو جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائیں بالکل غلط سمجھ کر تکبر سے اس بات پر اصرار کیا کہ ہم ٹھیک سمجھ رہے ہیں اور یہی معنے ہیں۔ اگر یہ معنی جاری رہتے تو سارا زمانہ ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے وقت پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مامور فرمایا اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔ یہ زمانہ میرا تقاضا کرتا تھا اور پھر ایسے تجارب کی توفیق عطا فرمائی جن تجارب میں سے آپ بچپن سے گزر

رہے تھے اور وہ طبعی نتیجہ اسی طرف لے جارہا تھا جس طرح آنحضو ﷺ آپ کو ہدایت دے کر پہنچانا چاہتے تھے۔

پس یہ وہ مضمون ہے جو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام عبارتوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اگر ان عبارتوں کو آپ سرسری نظر سے پڑھیں گے تو بعید نہیں کہ ٹھوکر کھا جائیں کیونکہ قرآن کریم کلام الٰہی کے متعلق یہی فرماتا ہے کہ لوگ یہ دیکھ کر سوال اٹھائیں گے، تعجب کریں گے کہ یہ کلام کیسا ہے جو بعضوں کو زندگی بخشتا ہے، بعضوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بن جاتا ہے۔ پس ٹھوکر کا موجب ان کے لئے بنتا ہے جن کے دل ٹیڑھے ہوں اور ان کا رجحان ٹھوکر کھانے کی طرف ہو، ایسے لوگوں کے مقدر میں ٹھوکر کھانا ہی ہے لیکن بعض دفعہ ایک ایسا انسان بھی ہوتا ہے جو دل کا صاف اور پاک ہے اپنی ناسمجھی کی وجہ سے ٹھوکر کھاتا ہے۔ یہ سارے امور میرے ذہن میں ہیں اور اپنے خطبات میں میں ان باتوں کو کھول رہا ہوں تاکہ وہ سادہ لوح احمدی بھی جو بعض دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں اٹھا کر پڑھتے ہیں اور اپنے طور پر ان کا مفہوم صحیح نہیں سمجھ سکتے کہیں وہ نہ ٹھوکر کھا جائیں۔

پس جب بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارتوں میں آپ کو ظاہری تضاد دکھائی دے گا پہلے تو ایک کامل یقین ضروری ہے کہ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ جیسا کہ قرآن کریم نے شروع میں ہمیں متوجہ کر دیا تمہیں رَيْبَ دکھائی بھی دے تو جان لو کہ ہرگز رَيْبَ نہیں۔ جب یہ یقین کامل پیدا ہو جائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں میں نہ کوئی تضاد ہے نہ قرآن وحدیث سے ہٹی ہوئی کوئی بات ہے پھر ان عبارتوں کو پڑھیں تو ان کے اندر آپ کو عجیب شان دکھائی دے گی۔ جو مشکل معاملات ہیں، جو مشکل مقامات ہیں تحریر کے، ان کے اندر خزینے دفن ہیں۔ جتنا آپ غور کریں گے اتنا ہی اعلیٰ درجے کے خزائن آپ کے ہاتھ آئیں گے۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عبارت کے متعلق پھر میں یہ عرض کروں۔ فرمایا:

> ”جیسے اژدہا میں ایک سمّ قاتل ہے اسی طرح نفس امّارہ میں بھی سمّ قاتل ہوتا ہے“۔

اب نفس امّارہ میں بھی سمّ قاتل ہوتا ہے۔ وہ سمّ جو قتل کر دے تو قتل ہونے کے بعد تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اگر نفس امارہ میں سمّ قاتل ہے تو لوگ بچیں گے کیسے۔ یہ جو سمّ قاتل ہونے کے

باوجود لوگ بچ بھی جاتے ہیں اور اللہ انہیں بچا لیتا ہے اس مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماتے ہیں:

''اور جس نے اسے پیدا کیا اسی کے پاس اس کا علاج ہے''۔

وہ ڈسنے کی کوشش کرتا ہے ساتھ ساتھ خدا علاج کرتا چلا جاتا ہے۔ بہت سے ایسے زہر ہیں جو انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں لیکن بروقت اگر ان کا تریاق استعمال کیا جاتا رہے تو خواہ وہ قاتل بھی ہوں تب بھی قتل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ تو یہ بات یاد رکھیں کہ نفس امّارہ تو بہرحال ایک قاتل نفس امّارہ ہے اس کا زہر ہلاک کرنے والا زہر ہے لیکن اللہ کا ایک ایسا احسان بھی ہے جو بن مانگے ہم پر ہو رہا ہے اور ان معنوں میں یہ رحمانیت کا جلوہ ہے۔ ہر انسانی نفس لازم نہیں کہ اس نفس امّارہ کے زہر سے قتل ہو جائے اور پھر اس کو زندہ نہ کیا جاسکے۔ فرماتے ہیں خدا تعالیٰ کی تقدیر ہے اس کی رحمانیت ہے جو ساتھ ساتھ اس کا ازالہ کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ مضمون ہے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ ہر خون میں شیطان دوڑ رہا ہے۔ وہ شیطان نفس امّارہ ہی تو ہے اور کون سا شیطان ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے خون میں بھی۔ آپؐ نے فرمایا ہاں میرے خون میں بھی لیکن میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے یعنی اب اس میں ڈسنے کی خواہش باقی نہیں رہی۔ پس وہ مقام حقیقی اسلام کا مقام ہے جہاں کامل امن ہے اور نفس امّارہ ان بار بار کی چوٹوں سے جو آسمانی بجلیوں سے اس کے سر پر پڑتی ہیں جو نماز کی حالت میں ایک نور کی طرح اوپر سے نازل ہوتی ہیں، اس کا سر اس حد تک کمزور ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس میں وہ شوخی باقی نہیں رہتی۔ پھر اگلی دفعہ کچھ اور ہو جائے گا، اگلی دفعہ کچھ اور کمزور ہو جائے گا اور آخری حالت وہ حالت ہے جسے رسول اللہ ﷺ کے نفسی شیطان کے مسلمان ہونے کی حالت کا نام دیا گیا ہے۔

ایک اور عبارت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جوان مشکلات کے تصور سے انسان کو ڈرانے کی بجائے انسان کا حوصلہ بلند کرتی ہے۔ بعض دفعہ بعض احمدیوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم سے تو حضرت صاحب کی کتابیں پڑھی ہی نہیں جاتیں۔ میں نے کہا کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ انہوں نے کہا جب کتابیں پڑھتے ہیں تو لگتا ہے کہ ہم احمدی بھی نہیں، مسلمان بھی نہیں، انسان بھی نہیں جو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم سے پوچھ رہے ہیں، ہم سے توقع رکھتے ہیں اس کا نام ونشان

ہماری ذات میں نہیں اس لئے ڈر جاتے ہیں۔ میں نے کہا اگر ڈر جاتے ہیں تو پھر آپ کو کوئی نجات نہیں مل سکتی۔ آگے پڑھا کریں اور غور سے پڑھا کریں کہ جہاں ڈراتے ہیں وہاں اس کا تریاق بھی بتاتے ہیں، وہاں ساتھ ساتھ راہنمائی بھی فرماتے ہیں کہ اس خوف و ہراس سے بچ نکلنے کا کیا راستہ ہے۔ اب یہ عبارت اسی قسم کی عبارت ہے جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ فرمایا:

> ”ہماری جماعت کو چاہئے کہ ہمت نہ ہار بیٹھے یہ بڑی مشکلات نہیں ہیں۔ میں تمہیں یقیناً کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے ہماری مشکلات آسان کردی ہیں۔۔۔“

اب یہ بہت بڑا انعام ہے جو جماعت احمدیہ پر نازل ہوا ہے۔ دنیا میں اور کسی مذہبی جماعت کی مشکلات اس طرح آسان نہیں کی گئیں جس طرح جماعت احمدیہ کی مشکلات آسان کی گئی ہیں۔ کتنا بڑا خزانہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب کی صورت میں ہمارے لئے چھوڑ دیا ہے اور بار بار انہی باتوں کو دہراتے ہیں، انہی باتوں کو سمجھاتے ہیں تا کہ وہ جو نہ سمجھ سکے ہوں وہ بھی سمجھ لیں۔ کس جماعت کی خدا تعالیٰ نے اس طرح مشکلات آسان کی ہیں۔ اس لئے پہلے تو یہ یقین اپنے دل میں جاگزیں کرلیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

> ”خدا تعالیٰ نے ہماری مشکلات آسان کر دی ہیں کیونکہ ہمارے سلوک کی راہیں اور ہیں (یعنی باقی مذہبی جماعتوں سے اور باقی صوفیاء اور اولیاء اللہ کے مقابل پر ہمارے سلوک کی راہیں اور ہیں۔ ان جیسی بھیانک راہیں نہیں جیسی انہوں نے اختیار کر رکھی ہیں۔) ہمارے ہاں یہ حالت نہیں ہے کہ کمریں جھک جائیں یا ناخن بڑھا لیں یا پانی میں کھڑے رہیں اور چلّہ کشیاں کریں یا اپنے ہاتھ خشک کرلیں اور یہاں تک نوبت پہنچے کہ اپنی صورتیں بھی مسخ ہوجائیں۔“

امر واقعہ یہ ہے کہ وہ صوفی جیسا کہ میں نے بعض پاگل صوفیوں کا ذکر کیا ہے اور ابھی ایسے بہت سے صوفی ہیں جو دنیا کی نظر میں بڑی چلّہ کشی کر رہے ہیں۔ اپنے ہاتھ سکھا لیتے ہیں، کھڑے کھڑے ہوہو کرتے راتیں گزار دیتے ہیں اور اس قسم کے صوفی صرف مسلمانوں میں نہیں ملتے دنیا کے ہر مذہب میں ملتے ہیں اور ہر ایسے صوفی کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اپنے اعضاء سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ ہندو فقیروں میں بھی آپ کو ایسے ملیں گے جن کی کھڑے کھڑے ٹانگیں خشک ہو

گئیں اور کھڑے ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رہی، جنہوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کے اتنی دیر اٹھائے رکھے کہ وہ ہاتھ مر گئے اور ان میں ہلنے کی طاقت بھی باقی نہیں رہی۔ ایسے عجیب و غریب جو مجاہدات بتائے جاتے ہیں بالکل جھوٹ ہیں اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان فرمودہ مجاہدات سے ان کا کوئی بھی تعلق نہیں۔ فرمایا اس لئے خواہ مخواہ ڈرو نہیں۔ ہم وہ ہیں یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام جن کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی توفیق ملی۔ فرماتے ہیں ہم یعنی تم لوگ اے جماعت احمدیہ وہ لوگ ہو جن پر مشکلات کو آسان کر دیا گیا ہے۔

”ان صورتوں کے اختیار کرنے سے بعض لوگ بخیال خویش با خدا بننا چاہتے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ایسی ریاضتوں سے خدا تو کیا ملنا ہے انسانیت بھی جاتی رہتی ہے۔“

یعنی ایسے فقیر اور بزعم خویش خدا نما بننے والے بد اخلاق ہو جاتے ہیں اور اسی لئے میں نے ایک فقیر کا آپ کو حوالہ دیا جس کا ذکر پاکستان کی تاریخ میں محفوظ ہے کیونکہ بڑے بڑے چوٹی کے باخدا بننے والے سربراہ ان کی خدمت میں ان کی گالیاں کھانے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے، جہالت کی حد ہے۔ پس یہ بد خلق لوگ باخدا ہونے کا کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں جن کو بولنے کی بھی تمیز نہیں۔ فرمایا:

”لیکن ہمارے سلوک کا یہ طریق ہرگز نہیں ہے بلکہ اسلام نے اس کے لئے نہایت آسان راہ رکھ دی ہے۔ وہ کشادہ راہ وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (اے خدا ہمیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دے۔) یہ دعا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھلائی ہے تو ایسے طور پر نہیں کہ دعا تو سکھا دی ہے لیکن سامان کچھ بھی مہیا نہ کیا ہو............“۔ ”چنانچہ اس سے اگلی سورۃ میں اس قبولیت کی طرف اشارہ ہے (یعنی جب یہ دعا سکھائی تو محض دعا سکھا کے نہیں چھوڑ دیا فرمایا اس سے اگلی سورۃ میں ہی اس دعا کی قبولیت کی طرف اشارہ ہے) جہاں فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔“ (ملفوظات جلد اول صفحہ: 233)۔

وہ راہ جو تم مانگ رہے ہو کشادہ راہ جس میں کوئی ٹھوکر، کوئی غلطی نہیں یہ کتاب ہے۔

لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ کوئی شک نہیں، کوئی کجی نہیں لیکن ایک بات ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اگر تم متقی ہو تو تمہاری ساری مشکلات کو یہ کتاب آسان کر دے گی۔ اگر متقی ہی نہیں تو پھر یاد رکھو کہ ہر ایک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے۔ اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے۔ پس تمہارے سفر کا آغاز ہی نہیں ہوگا۔ اگرچہ یہ رستہ تمہارے سامنے کھلا ہوگا اور یہ ایسی صراط مستقیم ہے جو کشادہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو ہمیشہ کشادہ راہ کے طور پر یاد فرمایا ہے۔ کسی مذہب کی سیدھی راہ اتنی کشادہ نہیں جو ہر چیز کو اپنے اندر سمالے کہ اس سے ہٹ کر کوئی اور راہ تلاش کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ پس ہماری ساری ضرورتیں، ہمارے سارے مسائل کا حل، ہماری نماز کی کمزوریوں کو دور کرنے کے طریقے، ہمارے الحاح، کس طرح ہمیں خدا کے حضور گرنا چاہئے، کون کون سی حالتیں ہیں جو مددگار ہوتی ہیں، کس طرح بعض دفعہ دل جھنجھوڑے جاتے ہیں، کس طرح دلوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ وہ کون سے امور ہیں جو آپ کی عبادت کی راہ میں ممد ہوں گے یہ تمام اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں اور یہی قرآن ہے جو آج ہمارا راہنما ہے جیسا کہ پہلے بھی ہمیشہ سب کا راہنما رہا ہے۔ اس مضمون کے متعلق باقی امور انشاء اللہ میں اگلے خطبہ میں پیش کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ